© rasailojaraid.com

سرسیّد کی تفسیر کا بنیادی اصول:

نیچر اور لا آف نیچر

پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری

۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء کو حیدر آباد دکن سے محسن الملکؒ[1] نے اپنے خط میں جو "مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر و علوم القرآن"[2] مطبوعہ ۱۹۱۵ء میں شامل ہے۔ سرسیّد کی تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے انہیں لکھا[3]:

"میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ بعض جگہ تسامح کے درجے سے گزر کر مغالطے میں پڑ گئے اور جس حد پہنچ کر آپ کو ٹھہرنا چاہیے تھا اس سے گزر گئے۔ آپ نے اُن باتوں کو جو اس زمانے کے علم و سائنس نے پیدا کی ہیں بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح اور یقینی مان لیا اور جو باتیں قرآن میں بظاہر اس کی مخالف معلوم ہوئیں اس میں ایسی تاویلیں کرنی شروع کیں کہ قرآن کا مقصود ہی فوت ہو گیا اور اس پر ستم ظریفی آپ کی یہ ہے کہ آپ تاویل کو کفر قرار دیتے ہیں اور اپنی تفسیر کو قرآن کے الفاظ اور سیاق اور محاورے اور مقصود محاورے کے مطابق بتاتے ہیں لیکن اس سے بھی آپ کا اصل مقصود کوسوں دور رہا۔ اس لیے کہ نیچر اور لا آف نیچر اگر وہی ہے جو اس زمانے کے یوروپین حکیم بتاتے ہیں تو خدا کی خدائی اور رسولوں کی رسالت اور عذاب و ثواب کا اقرار وہی

---

[1] محسن الملک سرسید کے عشاق میں سے ہیں اس لیے ان کی تنقید کو تعصب سمجھنے کی گنجائش نہیں۔ اس کے برخلاف محسن الملک کے خیالات ان جذبات کے آئینہ دار ہیں جو سرسید کے قریبی حلقے کے وہ لوگ جنہیں فی الجملہ علوم شرعیہ میں کچھ درک تھا، سرسید کے مذہبی خیالات کے بارے میں رکھتے تھے۔

[2] مرتبہ محمد عثمان مقبول، باہتمام رشید احمد انصاری، مطبوعہ و شائع کردہ مطبع احمدی علیگڑھ۔ مکاتبات کا یہ مطبوعہ نسخہ جو ایم اے او کالج کی لٹن لائبریری کو کسی محمد امان نے ۱۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہدیہ کیا تھا اب سیمینار لائبریری شعبہ سنی دینیات کی زینت ہے۔

[3] سرسید کا انتقال ۱۸۹۸ء میں ہوا اور اس مجموعہ کا آخری خط ۲۱ اگست ۱۸۹۵ء کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موضوع زیر بحث پر یہ سرسید کے وہ آخری خیالات ہیں جن سے ان کا رجوع ثابت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبائی تقلید اور بچپن کی سنی سنائی باتوں کا اثر سمجھا جاوے گا۔ اور قرآن باوجود انکار معجزات، اور خرق عادت، اور دعا، اور اجابت دعا اور فرشتوں اور جنات کے نیچر اور لا آف نیچر کے مخالف ہی رہے گا۔ پس میرے نزدیک آپ دو مصیبتوں میں ایک میں بھی نہ نکل سکے۔ کہیں قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی کی اور کہیں نیچر اور لا آف نیچر کے ثابت کرنے میں۔ بعض جگہ تو آپ قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا، نہ جبرئیل، نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نہ صحابہ، نہ اہل بیت، نہ عامہ مسلمین۔ اور کہیں نیچر کے دائرے سے نکل گئے اور مذہبی آدمیوں کی طرح پرانے خیالات اور پرانی دلیلوں اور پرانی باتوں کا گیت گانے لگے۔ چنانچہ آپ کی تفسیر میں دونوں باتوں کا جلوہ نظر آتا ہے۔ جہاں آپ نے دعا اور اجابتِ دعا کے مشہور معنوں سے انکار کیا، معجزات اور خرقِ عادات کو ناممکن سمجھ کر حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے اور ان کی طفلی کے زمانے کے واقعات اور احیاءِ اموات وغیرہ باتوں کو اہل کتاب کی کہانیاں بتلایا۔ وہاں آپ نے دکھایا کہ آپ کی تفسیر قرآن کے الفاظ اور سیاق عبارت اور اس کے عام منشاء سے مناسبت اور مطابقت نہیں رکھتی۔ اور جہاں آپ نے خدا کی خدائی اور پیغمبر کی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور ثواب و عذاب وغیرہ کا اقرار کیا، گو اس کی حقیقت میں علماء ظاہری کی رایوں سے اختلاف کیا ہو وہاں آپ نے ثابت کر دیا کہ نیچر اور لا آف نیچر کا کچھ بھی اثر آپ پر نہیں ہوا۔ وہی سب پرانے خیالات آپ کے دل میں سمائے ہوئے ہیں جن پر نیچر کے جاننے والے اور لا آف نیچر کے ماننے والے ہنستے ہیں۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ اعتقادات لا آف نیچر (قوانین فطرت) کے مطابق ہیں۔ یا ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اور اعتقادات کا تو ذکر کیا ہے آپ صرف خدا کی خدائی فلسفۂ جدیدہ سے ثابت کر دیجیے۔"[1]

آگے چل کر محسن الملک اسی خط میں لکھتے ہیں:

"میں اگلے خط میں نیچر اور لا آف نیچر اور ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام اور ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کے کلام سے جو آپ کی تفسیر کے اصول میں سے ایک

[1] مکاتبات، ص: ۱۶ — ۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اصول ہے [1] بحث کروں گا اور اس بات کو دکھا دوں گا کہ اس زمانے کی سائنس کی رو سے جن کو آپ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کہتے ہیں بلکہ خود گاڈ خیالی ڈھکوسلے اور اولڈ فیشن والے سٹریل خیالات ہیں۔ کہاں کا گاڈ اور کہاں کا ورک آف گاڈ اور کیسا ورڈ آف گاڈ۔ علم کی روشنی نے ان تاریک خیالات سے دنیا کو پاک کرنا شروع کر دیا ہے اور جن کے دل نئے خیالات کی تیز شعاعوں سے روشن ہو گئے ہیں وہ ان لغویات کو کچھ نہیں سمجھتے ان کے نزدیک ان پرانی باتوں اور ان جہالت و وحشت کے یادگار خیالات کی جگہ اب باقی نہیں رہی، الا ان دلوں میں جو آبائی تقلید کے بندوں میں پھنسے ہوئے اور بچپن کی سنی سنائی باتوں کے دام میں گرفتار ہیں ورنہ اور ان سائنس نے فتویٰ دے دیا ہے کہ خدا وجود معطل ہے، رزاقی اور الوہیت بیہودہ خیالات ہیں، دعا اور عبادت وحشیوں اور جاہلوں کے ڈر اور خوف کا نتیجہ ہے، نبوت دھوکے کی ٹٹی ہے، وحی افسانہ ہے، الہام خواب ہے، روح فانی ہے، قیامت ڈھکوسلہ ہے، عذاب و ثواب انسانی اوہام ہیں، دوزخ و جنت الفاظ بے معنی ہیں، انسان صرف ایک ترقی یافتہ بندر ہے، ما بعد الموت نہ سزا ہے نہ جزا، وہ مرنے کے بعد سب جھگڑوں قصوں سے پاک ہے۔" [2]

تفسیر کا یہ اصول جسے سرسید نے نیچر اور لا آف نیچر کا نام دیا اور جس کی کارفرمائی سے پیدا ہونے والی تباہ کاریوں کا ایک اجمالی خاکہ محسن الملک نے اپنی تحریر میں پیش کیا، واقعہ یہ ہے کہ وہ سرسید کی تفسیر کا نہ صرف ایک اصول بلکہ ایک ایسا اہم ترین اصول ہے جس کی وجہ سے محسن الملک ہی کے الفاظ میں "سرسید معاذ اللہ ایک نئے دین کے بانی کہے جاتے اور نیچری کے نام سے پکارے جاتے ہیں" [3] اسی وجہ سے جمال الدین افغانی نے ان حضرات کو فرقہ نیچریان و اگھوریان کے نام سے یاد کیا۔ نیچر اور لا آف نیچر کو سرسید نہ صرف قرآن کریم

---

[1] زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ نہ صرف سرسید کی "تفسیر کے اصول میں سے ایک اصول ہے" بلکہ ان کی تفسیر کا اہم ترین اصول اور اس کا سنگ بنیاد ہے۔

[2] مکاتبات: ص ۱۹۔ [3] ایضاً: ص ۱۶۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سمجھنے اور سمجھانے کے بنیادی اصول کے طور پر استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک کسی مذہب کی حقانیت جانچنے کا یہ واحد اصول ہے[1] اس نیچر اور لا آف نیچر کی حقیقت کیا ہے اس کے بارے میں محسن الملک کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی اطمینان بخش تشریح کہیں نہیں ملتی۔

"یہاں تک کہ سید صاحب قبلہ نے بھی جن کی زبان پر ہر وقت نیچر کا مبارک لفظ رہتا ہے اور جن کے قلم سے ہر دم نیچر نکلتا رہتا ہے اور جن کی تفسیر کا مدار نیچر پر ہے، اس لفظ کی نہ حد بتائی نہ تعریف"[2]

تاہم سرسید کی متعدد تحریریں ایسی ہیں جن سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیچر اور لا آف نیچر سے جس کے مطابق وہ قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں ان کی کیا مراد ہے۔

'الخطبات الاحمدیہ' میں لکھتے ہیں "سچا اصول کیا ہے؟ جہاں تک کہ انسان اپنے قوائے عقلی سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت یا قانون قدرت کے اور کچھ نہیں..... قدرت یا قانون قدرت کیا ہے وہ وہی ہے جس کے بموجب ان تمام چیزوں مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے ارد گرد ہیں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وجود ہے اور ہمیشہ انہیں کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی ان سے جدا نہیں ہوتا۔ قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بتا دیا ہے بغیر خطا کے اسی طرح پر ہوتا ہے اور اسی طرح پر ہوگا پس وہی سچ ہے اور جو اصول اس کے مطابق ہیں وہی سچے اصول ہیں نہ وہ جن کی بنا ایک فانی قابل سہو و خطا وجود یعنی انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو"[3]

علاوہ بریں سرسید نے اپنی تفسیر کے جو پندرہ اصول بتائے ہیں ان میں آٹھواں اصول بھی سرسید کے الفاظ میں یہ ہے۔

> "تمام صفات باری نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں، یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ پس وہ ان وعدوں کے کرنے کا مختار تھا جن کو اس نے کیا ہے، اور اس قانون فطرت کے کرنے (بنانے) کا بھی مختار تھا جس پر اس نے کسی کائنات کو بنایا ہو، یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہے، یا آئندہ اور کسی صورت میں بنا دے، مگر اس وعدہ اور قانونِ فطرت میں جب تک کہ وہ قانونِ فطرت قائم ہے، تخلف محال ہے۔

---

[1] دیکھیے سرسید احمد خاں: الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، علی گڑھ، مسلم فیض عام طبع اول سن ۱۹۰۰ء؟ ص: ۴ ۔ ۶

[2] مکاتبات ص: ۱۶۰

[3] الخطبات ص: ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر ہو تو ذات باری کی صفات کاملہ میں نقصان لازم آتا ہے۔ اور ان وعدوں کا کرنا اور قانون فطرت پر کائنات قائم کرنا اس کی قدرت کاملہ کا ثبوت ہے۔ اور ان کے ایفاء سے جس کا خود اس نے اپنے اختیار سے وعدہ کیا ہے اس کی قدرت کے مطلق عن القیود اور نامحدود ہونے کے معارض نہیں ہو سکتا"۔[1]

اس کے بعد سر سید نے بہت سی آیات پیش کی ہیں جن سے ان کے کہنے کے بموجب معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور وعدے کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ اور ان وعدوں اور ان سے "عدم تخلّف" کے باوجود اپنے آپ کو قادر مطلق اور "فعال لما یرید" بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ "وعدہ اور عدم تخلف وعدہ اس کے قادر مطلق ہونے اور اس کی صفات کے مطلق عن القیود ہونے کے منافی نہیں ہے"[2] سر سید کہتے ہیں:

"یہی حال قانون فطرت کا ہے جس پر یہ کائنات بنائی گئی ہے۔ پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ۔ اس قانون فطرت میں سے بہت کچھ خدا نے ہم کو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے، گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہ ہوا ہو، اور کیا عجب کہ بہت کچھ دریافت نہ ہو، مگر جس قدر دریافت ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے، جس سے تخلّف قولی وعدے سے تخلف کے مساوی ہے جو کبھی نہیں ہو سکتا"[3]

سر سید کے نزدیک "کلمات اللہ" اور "خلق اللہ" دو مرادف (؟ مترادف) الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن کہتا ہے - "لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ"[4] ("اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہے")۔ اسی طرح وہ "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا"[5] ("اللہ کی سنت میں تو ہرگز تبدیلی نہ پائے گا") اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جو طریق کہ خدا نے مقرر کیا ہے اس میں تبدل نہیں ہو سکتا[6] سر سید کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں خدا نے ہم کو خاص

---

1. مکاتبات ص: ٢٧
2. مکاتبات ص: ٢٩
3. ایضاً ص: ٢٩
4. سورہ یونس ١٠ آیت ٦٤
5. سورۂ احزاب ٣٣ آیت ٦٢ ، سورۂ فتح ٤٨ آیت ٢٣
6. مکاتبات ص: ٣٠

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص قانون فطرت بھی بتائے ہیں، مثلاً قرآن نے یہ قانون فطرت بتایا ہے کہ زن و مرد کے اتصال سے مدت معینہ تک مقررہ جگہ میں نطفہ کے رہنے سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس قانون فطرت کے خلاف بالکل اسی طرح نہیں ہو سکتا جس طرح خدا کے قولی وعدے کے خلاف نہیں ہو سکتا۔[1] ایسے ہی ان کے خیال میں یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج خلاف فطرت، جس طرح وہ چلتا دکھائی دیتا ہے کسی کے لیے چلنے سے ٹھہر جائے، یہ ان کے نزدیک اسی طرح ناممکن ہے جیسے قولی وعدے کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔[2] ان کے خیال میں قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی خاصیت جلانا ہے، یا پانی کی خاصیت بھاری چیزوں کو ڈبونا ہے چنانچہ پانی سے یہ فطرت معدوم نہیں ہو سکتی۔ اس کا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔ قرآن ہی سے ان کے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون فطرت یہ ہے کہ پانی بادل سے برسے اور اس سے کچھ فوائد حاصل ہوں چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ بغیر بادل کے پانی برسے اور مینہ کے فوائد جو خدا نے بیان کیے ہیں وہ اس سے حاصل نہ ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ امور مذکورہ کے علاوہ اور بھی بہت سے قوانین فطرت قرآن میں بتائے گئے ہیں۔[3]

سرسید یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو قانون فطرت تم نے قرآن مجید کی آیتوں کو پیش نظر رکھ کر بتایا ہے وہ عام نہیں بلکہ اس میں مستثنیات بھی ہیں مگر انہیں اپنے مذکورہ موقف پر اتنا اصرار ہے کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس قانون فطرت میں مستثنیات ہیں۔[4] عجیب بات ہے کہ یہ کہتے وقت وہ شاید بھول جاتے ہیں کہ قرآن ہی میں آدم کا بغیر ماں باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے[5] بھاری جہازوں کا پانی پر دوڑتے پھرنا بھی[6] نیز یہ کہ پانی نے پھٹ کر لوگوں کو راستہ دے دیا۔[7]

---

[1] مکتوبات ص: ۳۲ ، [2] ایضاً ص: ۳۲

[3] ایضاً ص: ۳۴ [4] ایضاً ص: ۳۵

[5] إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ كُن فَيَكُونُ

آل عمران آیت: ۵۹

[6] وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ (سورہ شوریٰ ۳۲)

[7] فاضرب لهم طريقا في البحر يبسا

(سورہ طٰہٰ آیت ۷۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید برآں سر سید یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسان نے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے تجربے سے اس کی مخلوقات کے قانونِ فطرت کو معلوم کیا ہے اور بے شبہ وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے مخلوقات کے تمام قوانینِ فطرت کو دریافت کر لیا ہے۔[1] ان میں بقول ان کے "بہت سے ایسے امور محقق ہیں جو درجۂ یقین کو پہنچ گئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ابھی درجۂ یقین کو نہیں پہنچے اور معلوم نہیں کہ ابھی تک کس قدر نامعلوم ہیں"[2]

سر سید کو اس بات کا احساس ہے کہ جو قانون قدرت انسان نے تجربے سے "قائم کیا ہے" اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ جب کہ تمام قوانینِ فطرت ابھی تک نامعلوم ہیں تو ممکن ہے کہ کوئی قانونِ فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہوں۔ مگر سر سید کے خیال میں اتنا کہنا کافی نہیں ہے کیونکہ انہیں کے الفاظ میں "امکان عقلی تو کوئی شئی وجود ہی نہیں ہے صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ علاوہ اس کے امکان کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہ ہوا ہو تو اس پر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے"[3] ان کا کہنا ہے کہ "جو شخص قانونِ فطرت میں مستثنیات کا مدعی ہو اس کو ان مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے"[4]

یہ حقیقت کہ انسان کا علم ناقص بھی ہے اور اس میں غلطی کے امکانات بھی ہیں سر سید کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں چنانچہ لکھتے ہیں "ہم سے طعناً کہا جاتا ہے کہ جب حکمت و ہیئت و فلسفۂ یونانی مسلمانوں میں پھیلا اور جو اس زمانے میں بالکل سچ و صحیح اور مطابق حقیقت واقع سمجھا

۱؎ مکاتبات ص: ۳۴ - ۲؎ ایضاً

۳؎ واقعات تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے ہونے (وجود) کو عقل لازم اور ضروری بتائے، انہیں واجب کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے نہ ہونے (عدم) کو عقل لازم اور ضروری بتائے ان کو ممتنع اور محال کہتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے کہ جن کے نہ وجود (ہونے) کو لازم بتائے اور نہ ان کے عدم (نہ ہونے) کو ضروری قرار دے، بلکہ دونوں شقوں کو محتمل قرار دے اور ہونے نہ ہونے، وجود یا عدم کا حکم کرنے کے لیے کسی اور دلیل کو چاہے ان کو ممکن کہا جاتا ہے۔ سر سید کا یہ کہنا کہ "امکان کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہ ہوا ہو اس پر امکان کا اطلاق غلط ہے" امکان کی ان کی اپنی خانہ زاد تعریف ہے جسے فلسفہ یا منطق سے سروکار نہیں۔ امکان کی تعریف میں وقوع کی شرط لگا دینا امکان کے تصور کو فاسد کرتا ہے۔

۴؎ مکاتبات ص: ۳۵ - سر سید کا مطالبہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا تھا علماء اسلام نے قرآن مجید کے ان مقامات کی جو ان کے مطابق معلوم ہوتے تھے تائید کی اور ان مقامات کو جو بظاہر مخالف ان علوم کے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے مطابق کرنے پر کوشش کی۔ اب کہ معلوم ہوا کہ وہ علوم غلط اصول پر مبنی تھے اور ان کا علم ہیئت بالکل خلاف حقیقت تھا۔ اور علم طبیعیات اور نیچرل سائنس نے زیادہ ترقی کی تو اب ان معنوں سے جو ان علماء نے مطابق یونانی علوم کے قرار دیے تھے تخلف کرتے ہو اور دوسرے معنی اختیار کرتے ہو جو حال کے علوم کے مطابق ہیں، اور کیا عجب ہے کہ آئندہ زمانے میں ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت محققہ معلوم ہوتے ہیں وہ غلط ثابت ہوں، اس وقت قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی "وہلم جرا"۔ پس قرآن لوگوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہو جاوے گا۔ ہم اس طعنے کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن مجید حقیقت امور کے مطابق ہے، کیونکہ وہ ورڈ آف گاڈ ہے اور بالکل ورک آف گاڈ اس کے مطابق ہے مگر اس میں ایک بہت بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجۂ علم میں ان امور میں جن کی ہدایت کے لیے قرآن نازل ہوا ہے یکساں ہدایت کرتا ہے اس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جاوے گی اور اس (ان) ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اس پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کے الفاظ اس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں اور ہم کو ثابت ہو جاوے گا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے اور اب غلط ثابت ہوئے وہ ہمارے علم کا قصور تھا نہ الفاظ قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جاوے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کریں گے اور اس کو ضرور مطابق حقیقت پاویں گے۔ اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔[1]

انسانی علم و اطلاع اور انکشافِ حقیقت کے نقص و قصور کے اس اعتراف و احساس کا نتیجہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سر سید اپنی اس موقف کے بارے میں کہ قانونِ فطرت کے اس درجۂ انکشاف میں، جہاں تک وہ ان کے زمانے تک پہنچا تھا، مستثنیات کا پایا جانا ناممکن ہے، اعتدال پسندی کی راہ اختیار کرتے ہوئے یہ کہتے کہ مستثنیات کا وجود مستبعد اور خلاف

---

[1] مکاتبات ص: ۵۲ و ۵۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عادت تو ہو سکتا ہے لیکن محال نہیں ہو سکتا، چنانچہ اسے نامکمل اور ناقص سمجھتے ہوئے اسے قرآنی آیات کی آخری، قطعی اور یقینی تشریح قرار دینے سے گریز کرتے ہوئے اس کی حیثیت صرف ایک عبوری، وقتی اور عارضی تشریح کی قرار دیتے تو حقیقت سے کہیں بہت زیادہ قریب ہو جاتے۔ مگر افسوس کہ انیسویں صدی کی سائنس کے میکانکی تصور کو انکشاف حقیقت کا آخری درجہ قرار دینے کی تحت الشعوری مرعوبیت اور طبعی انتہا پسندی نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔

حقیقت واقعہ کے اس نیم دلانہ اعتراف کے نتیجے میں سرسید اپنے اس دعوے پر بس نہ کرتے ہوئے کہ کوئی قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس قانونِ فطرت میں مستثنیات ہیں، آگے بڑھ کر نویں اصول کے تحت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "قرآن مجید میں کوئی ایسا امر نہیں ہوتا جو قانونِ فطرت کے برخلاف ہو"[1] ظاہر ہے اس موقف کا لازمی نتیجہ معجزات کا انکار ہے۔ چنانچہ سرسید ہی کے الفاظ میں "(ہم) ان کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسے کہ قولی وعدہ کا ایفا نہ ہونا۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور اگر بالفرض محال خدا کی قدرت کے حوالے پر اس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بے فائدہ امر ہوگا، جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم"[2]

ظاہر ہے کہ یہ موقف اختیار کرنے کے بعد سرسید کے لیے ان آیات کی تاویل، اپنے علم قانونِ فطرت یا نیچر کے مطابق کرنے کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں، جنہیں وہ اپنے زعم میں خلاف قانونِ فطرت سمجھتے ہیں یا اپنے الفاظ میں "سپر نیچرل" کہتے ہیں۔

اپنے اس موقف کو سہارا دینے اور اسے مضبوط کرنے کے لیے سرسید چودھویں اصول کے تحت فرماتے ہیں "موجوداتِ عالم اور مصنوعاتِ کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن میں کہا ہے وہ سب ہو بہو یا بحیثیۃ من الحیثیات مطابق واقع ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا قول اس کی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے مخالف ہوں۔ بعض جگہ ہم نے قول کو ورڈ آف گاڈ اور اس کی مصنوعات کو ورک آف گاڈ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونوں کا متحد ہونا لازم ہے۔ اگر ورڈ ورک کے کسی بھی حیثیت سے مطابق نہیں ہے تو ایسا ورڈ ورڈ آف گاڈ نہیں ہو سکتا"[3]

---

[1] مکاتبات ص: ۳۵
[2] ایضاً ص: ۳۷
[3] ایضاً ص: ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرسید کی لگائی ہوئی یہ قید کہ "وہ سب ہو بہو یا بحیثیة من الحیثیات مطابق واقع ہو" بہت اہم ہے اور ان کے ایک بنیادی اہمیت رکھنے والے تاویلی حربے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ "ہو بہو" سے سرسید کی مراد ہے حقیقتِ واقعہ کے مطابق۔ "بحیثیة من الحیثیات" سے مطلب ہے کسی بھی دوسری ممکن حیثیت سے۔ سرسید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کا بیان یا تو ہو بہو حقیقت کا بیان ہوگا، جس کا اظہار آیت کے الفاظ کے مدلول ظاہری سے ہو رہا ہے اور اگر وہ حقیقت کا بیان نہیں ہے تو کسی بھی دوسری حیثیت سے اس بیان کو صحیح قرار دینا پڑے گا۔ مثلاً قرآن کہتا ہے: "والشمس تجری لمستقر لہا" (سورہ یٰسین ۳۶، آیت ۳۸) یعنی سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج حرکت کرتا ہے۔ اب اگر سرسید کے دور تک کے سائنسی انکشافات یہ بتاتے ہیں کہ سورج واقعی حرکت کرتا ہے تو قرآن کے اس بیان کو حقیقت واقعہ کا بیان سمجھتے ہوئے بجنسہٖ قبول کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کے زمانے تک کے سائنسی انکشافات یہ بتاتے ہیں کہ سورج ساکن ہے تو اب قرآن کے مذکورہ بیان کو بیان واقعہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن کیوں کہ یہ قرآن مجید کا بیان ہے اور ورڈ آف گاڈ ہے اس لیے اسے کسی دوسری حیثیت سے صحیح قرار دینا پڑے گا۔ مثلاً یہ کہنا ہوگا کہ قرآن نے عوامی محاورے کا استعمال کیا ہے یعنی کیونکہ بالعموم یہی سمجھا جاتا تھا۔ یا سمجھا جاتا ہے کہ سورج حرکت کرتا ہے اور بول چال میں کہا بھی اسی طرح جاتا ہے کہ مثلاً جب سورج نکلے یوں نہیں کہتے کہ جب زمین اتنی حرکت کر چکے کہ سورج نظر آنے لگے تو قرآن نے بھی اسی پیرایۂ بیان کو اختیار کر لیا۔ چنانچہ سرسید کے نزدیک جب بھی قرآن کا بیان ان کے دور کے سائنسی انکشاف واقعہ کے خلاف ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قرآن کا بیان حقیقتِ واقعہ کا بیان نہیں، بلکہ از راہ مجاز، یا محاورے کے پیش نظر، یا عوام کے مزعومات وخیالات کے موافق ایک چیز بیان کر دی گئی ہے۔ گویا قرآن کی مراد متعین کرنے میں فیصلہ کن حیثیت سرسید کے زمانے کے سائنسی انکشافات کو حاصل ہوگی نہ کہ الفاظِ قرآنی کے مدلولات کو۔ اور یہی سرسید کی تفسیر کا اصل الاصول ہے[۱]۔

مزید براں یہ بات بھی بہت معنی خیز ہے کہ سرسید صرف ایک پہلو کا ذکر کرتے ہیں یعنی وہ یہ تو کہتے ہیں کہ اگر ورڈ، ورک کے مطابق نہیں تو وہ ورڈ آف گاڈ نہیں، لیکن یہ نہیں کہتے کہ اگر

۱۔ اپنے خیالات ومعتقدات کو اصل قرار دے کر تفسیر کرنے کی یہ تکنیک عام بھی ہے اور قدیم بھی۔ سارے فرق ضالہ نے فراخ دلی سے اس تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے احقر کی کتاب "زمخشری کی تفسیر الکشاف، ایک تحلیلی جائزہ، شائع کردہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹..." سرسید نے اسی تکنیک کو الفاظ بدل کر استعمال کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورک ورڈ کے مطابق نہیں نظر آتا تو ورک کے سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے[1] چنانچہ اگر قرآن کی عبارت ان کے مزعومہ قانونِ فطرت کے خلاف نظر آتی ہے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ اپنے اصل الاصول کے مطابق تاویل کے سارے حربے استعمال کر کے اس عبارت کو اپنے قرار دادہ قانونِ فطرت کے مطابق ثابت کر دکھائیں۔ یہاں وہ اپنے اس اعتراف سے آنکھیں چرا لیتے ہیں جو علمِ انسانی اور سائنسی انکشافات کے ناقص، نامکمل اور حقیقت واقعہ کا عبوری بیان ہونے کے بارے میں انہیں کے قلم سے نکلا ہے۔

مذکورہ بالا صورت حال کا لازمی نتیجہ ہے کہ پندرھویں اصول کے تحت وہ یہ تسلیم کرنے کے بعد" قرآن کے معنی اس طرح پر لگائے جاویں گے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان میں کلام کرنے

---

[1] سر سید کے اس نقطۂ نظر کا مقابلہ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے نقطۂ نظر سے کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ سر سید نے کچھ سوالات اصول کی صورت میں ڈھال کر مولانا محمد قاسم صاحب کو بھیجے تھے جن کے جوابات انہوں نے دیے۔ سر سید کے اصول اور مولانا نانوتوی کے جواب "تصفیۃ العقائد" (مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند) نام کے کتابچے میں چھپے۔ سر سید نے اپنے دوسرے اصول میں بیان کیا "اس کا کلام اور جس کو اس نے رسالت پر مبعوث کیا اس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ نہیں ہو سکتا"۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا نانوتوی نے لکھا: "کلام خداوندی اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مخالف حقیقت اور مخالف واقعہ نہیں ہو سکتا ایسے ہی حقیقت اور واقعہ کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے۔ سو اگر کوئی طریقہ دربارۂ اخبار واقع و حقیقت مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے وسیلے سے اس کی تغلیط کر سکیں گے۔ پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اس طریقے کے بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اس صورت میں اگر اشارۂ عقل معارض اشارۂ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ کو نمونہ صحت و سقم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں، نہ برعکس۔ علیٰ ہذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ و حدیث کو جو باعتبار قواعد صرف و نحو دلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اس پر مطابق کریں۔ اگر کھینچ کھانچ کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں۔ یہ نہ ہو کہ اپنے خیالات و اوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ و حدیث کو کھینچ تان کر اس پر مطابق کریں"۔ سر سید اور مولانا نانوتوی کے سوال و جواب سے اس تضاد اور بُعد کا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ جو مذہبی فکر اور سر سید کی نیچری فکر کے درمیان پایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے کے لگائے جاتے ہیں۔"[۱] یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "علاوہ اس کے ہم کو ان اصول اور ان قولی وعملی وعدوں پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے جو خود خدا نے کیے ہیں۔"[۲] ان کی اس بات کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ عربی زبان کے اصول و قواعد اور لغت کی رو سے قرآن کا مفہوم جو کچھ بھی نکلتا ہو لیکن سرسید کے لیے وہ اسی صورت میں قابل قبول ہو سکتا ہے جب وہ ان کے مقرر کردہ اصول نیچر کے مطابق ہو ورنہ نیچر کے اصول کی روشنی میں اس مفہوم پر نظر ثانی کر کے اس کے موافق اس کے معنی متعین کیے جائیں گے۔

عربی زبان کے مفاہیم، اصول و قواعد اور عربی الفاظ کے لغوی مدلولات سے کترا کر چلنے کا جواز وہ اس طرح فراہم کرتے ہیں۔" بلاشبہ اس امر میں ہم مجبور ہیں اور بجز اس کے کہ قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں موجودہ لغت کی کتابوں اور علم ادب کی کتابوں کی طرف رجوع کریں اور کچھ چارہ نہیں ہے لیکن اگر بالفرض ہم کو قرآن مجید سے کسی لفظ کا ایسے طور پر استعمال، یا ایسے معنوں میں استعمال، بطور یقین کے ثابت ہو جاوے جو کتب لغت یا علم ادب کی کتابوں میں نہ ملے، تو ہم اس کے اختیار کرنے میں کوئی وجہ تامل کی نہیں پاتے۔"[۳]

سرسید اپنی تفسیر کے اس اصل الاصول پر بڑی طویل تحریر سورۂ انعام کی آیت نمبر ۳۷

" وقالوا لولا نزّل علیه آیة من ربه قل ان الله قادر علی ان ینزّل آیة ولکن اکثرهم لایعلمون"۔ (انہوں نے کہا کیوں نہیں اتاری گئی اس پر یعنی پیغمبر پر، کوئی نشانی، یعنی معجزہ اس کے پروردگار کی طرف سے کہہ دے کہ بے شک اللہ اس پر قادر ہے کہ اتارے کوئی نشانی، ولیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔ ترجمہ سرسید) کی تفسیر کرتے ہوئے سپرد قلم کی ہے۔[۴] اپنی اس تشریح میں سرسید نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر چیز قانون فطرت کے مطابق ہوتی ہے اور اس کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔

چنانچہ ان کے الفاظ میں "تمام مخلوقات میں، انسان ہو یا حیوان، شجر ہو یا حجر، سب میں خدا نے ایک فطرت رکھی ہے، اور اس کے اثر، بغیر کسی کے بتائے اور بغیر کسی سکھانے والے کے سکھائے، اسی فطرت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔"[۵]

---

۱ و ۲۔ مکاتبات ص: ۴۵

۳۔ ایضاً ص: ۴۷۔ یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ سرسید اس بات کو مبہم چھوڑ دیتے ہیں کہ کسی لفظ کے وہ معنی جو کتب لغت یا علم ادب کی کتابوں میں نہیں ملتے ان معنی کے قرآن کریم سے استخراج کرنے کا کیا طریقہ اور ذریعہ ہوگا۔ ۴۔ سرسید: تفسیر قرآن، جلد سوم ص: ۱۲ — ۴۱۔ ۵۔ ایضاً ص: ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تحریر میں اسی اصول نیچر کے مطابق وہ معجزے کا انکار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "غرض کہ ہم نے معجزہ وکرامت کے مفہوم میں اس امر کو داخل کیا ہے کہ اس کا وقوع خلاف قانونِ قدرت ہے اور اسی اصول پر معجزہ وکرامت سے انکار کیا ہے۔"[۱] آگے چل کر لکھتے ہیں "حکماء وفلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار کسی وجہ سے کیا ہو، مگر ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اور اس لیے ان سے انکار کرنا ضرور ہے۔ بلکہ ہمارا انکار اس بنا پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات وکرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرقِ عادت یعنی خلاف فطرت، یا خلاف جبلت، یا خلاف خلقت یا خلاف قدر التی قدر ہا اللہ کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلاف قانون قدرت واقع نہیں ہوتا۔ اور اسی لیے معجزات وکرامات سے، جب کہ ان کے معنوں میں غیر مقید ہونا قانون قدرت کا مراد لیا جاوے، تو انکار کرتے ہیں۔ اور اگر ان کے مفہوم میں یہ بھی داخل کیا جاوے کہ وہ مطابق قانونِ قدرت کے واقع ہوتے ہیں تو صرف نزاع لفظی باقی رہ جاتی ہے۔"[۲] سرسید اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ معجزے پر یقین کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں "ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامت کے ہونے کا یقین کرنا ذاتِ باری کو توحید فی الصفات پر ایمان کو ناقص اور ناکارہ کردینا ہے۔"[۳] ان کے خیال میں معجزے اور کرامات پر یقین ہی نے لوگوں کو "پیر پرستی و گور پرستی کی رغبت دلائی ہے"[۴]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض عبارتیں پیش کرکے ان کی تشریح اپنے اصول کے مطابق کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ دراصل شاہ صاحب بھی ہمارے اصول کے موافق منکرینِ معجزات میں سے ہیں"[۵]۔ لیکن شاہ صاحب ہی نے "حجۃ اللہ البالغہ" کے "باب الابداع والخلق

---

۱ تفسیر قرآن جلد سوم ص: ۳۷

۲ تفسیر قرآن ۳/۴۰ غالباً یہ سائنس سے سرسید کی مرعوبیت بلکہ زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ ان کے انیسویں صدی کے سائنسی افکار اور اس دور کے سائنسی اکتشافات سے اخذ کردہ نظریہ قانونِ قدرت کو علم انسانی کا منتہا و مبلغ سمجھنے کی غلطی، بلکہ فی الحقیقت ان کی سائنس سے براہ راست ناواقفیت، کا نتیجہ ہے کہ سرسید کی نظر سے یہ بات پوشیدہ رہ جاتی ہے کہ مشیئتِ الٰہی اور قانونِ قدرت دو مختلف چیزیں ہیں اور یہ کہ مشیت الٰہی قانون الٰہی سے بالاتر ہے اور معجزات اگر سرزد ہوتے ہیں تو مشیئت الٰہی کے تحت نہ کہ قانون الٰہی کے موافق بلکہ کسی خاص حد کے مرفوع قانون الٰہی کے تحت چنانچہ سرسید کا یہ کہنا کہ انہیں قانون قدرت سمجھنے کے بعد نزاع لفظی رہ جاتی ہے درست نہیں۔ اس کے بعد بھی نزاع حقیقی ہی باقی رہتی ہے۔ ۳ و ۴ ایضاً ص: ۳۹ ۵ ایضاً ص: ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والتدبیر، میں پروردگار عالم کے اس کائنات میں ہمہ وقت جاری و ساری تصرفات اور اسباب میں تقلیب و تبدیل کی جو شکلیں قبض[1] بسط[2] و احالہ[3] و الہام[4] کے نام سے بتائی ہیں ان کی تردید کرتے ہیں۔ در حقیقت سرسید کو اس اصول نیچر کے تسلیم کرنے کے بعد محسن الملک کے الفاظ میں "خدا کو نیچر کا اور نہ صرف نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایک وجود معطل ہے اور اس کی طرف قدرت و اختیار و مشیئت و ارادہ کی نسبت بے معنی ہے"[5] واقعہ یہ ہے کہ سرسید جس طرح اصول نیچر کو پیش کرتے ہیں اس کو مان لینے کے بعد، جیسا کہ محسن الملک نے بھی کہا ہے، خدا کی حیثیت محض علۃ العلل کی رہ جاتی ہے جس سے کائنات قصد و ارادے اور مشیئت کے ساتھ نہیں بلکہ اضطراراً صادر ہوئی ہے جس میں خدا کے ارادہ اور اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ وہ فاعل و خالق بھی نہیں رہتا کیونکہ فاعل و مفعول اور خالق و مخلوق کا تعلق اختیاری ہے اور علت و معلول کا اضطراری۔[6] سرسید کے مسلک کے مطابق اصول نیچر کو تسلیم کرنے کا دوسرا اہم نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک ایسے خالق کی قرار پاتی ہے جو ایک دفعہ کائنات کو خلق کرنے کے بعد اور اس کے لیے ایک قانون مقرر کر دینے کے بعد اب خود بھی اس قانون کا ایسا پابند بنکر اور اپنی مخلوق سے ایسا لاتعلق ہو کر، اس سے علیحدہ بیٹھ گیا ہے کہ اب وہ کسی طرح کا تصرف بھی اس میں نہیں کر سکتا۔ سرسید کا یہ خیال انہیں ہندو نظریہ کرم (KARMA) سے نہایت قریب لے آتا ہے جس کے مطابق کرم کے قانون کو خدا چاہے بھی تو خود بھی نہیں توڑ سکتا اگرچہ اس بات کے شواہد موجود نہیں ہیں کہ سرسید پر ہندو فلسفہ کا کوئی اثر پڑا ہو۔ ان کے یہاں اس خیال کا منبع انیسویں صدی کے سائنس کا ناقص علم، خود سائنس کے بنیادی متعلقاتِ فکر سے عدم واقفیت، نیز فلسفہ جدیدہ کے اصول و نظریات سے بے خبری ہے۔

---

[1] قبض کی مثال: دجال کا باوجود آمادہ قتل و فراہمی آلہ قتل ایک انسان کے قتل پر قادر نہ ہونا۔

[2] بسط کی مثال: پاؤں مارنے سے حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے پانی کے چشمے کا نکل آنا۔

[3] احالہ کی مثال: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا ٹھنڈا کر دینا۔

[4] الہام کی مثال: حضرت خضر کا کشتی کو توڑ دینا، لڑکے کو مار ڈالنا اور دیوار بنانے کا واقعہ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ، باب الابداع والخلق والتدبیر۔

[5] مکاتبات ص: ۵۶۔

© rasailojaraid.com